جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

مکاتیب شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

اور اُن کا سیاسی پہلو

دہلی میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ "حیات اور کارنامے" کے موضوع پر ۹،۱۸ر مارچ ۲۰۰۲ء کو سیمنار منعقد ہوا، ذیل کا مقالہ اسی میں پڑھا گیا، جو اب خصوصیت سے قارئین الحق کے لیے پیش خدمت ہے ——— (ادارہ)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خطوط کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کے مکاتیب تصوف، طریقت، شریعت، دعوت اصلاح، تبلیغ واشاعتِ اسلام، احیائے دین، تزکیہ، تعلیم کتاب وحکمت، اصلاح فوائد ورسوم، قیام ملت اسلامیہ اور وقت کے اہم دینی تقاضوں کے مضامین کا سب سے بڑا مجموعہ ہیں۔

لیکن وقت کے مسائل میں راہنمائی کے سلسلہ میں حضرت مجددؒ اور حضرت شیخ الاسلام کے افکار میں ایک بنیادی فرق بھی صاف نظر آتا ہے۔ حضرت مجددؒ ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ عروج کے مصلح ہیں، اس وقت مسلمانوں کے اقتدار کا سورج نصف النہار پر تھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ زوال اور عہدِ محکومی کے راہنما ہیں، جبکہ مسلمانوں کے اقتدار کا سورج غروب ہو چکا تھا، سلطنت کا نقش مٹ چکا تھا اور ہندوستان کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہو چکی تھی۔ حالات نے مسلمانوں کو اس دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں انہیں فیصلہ کرنا تھا کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کے وسیع تر ملی مفادات کا تقاضا کیا ہے، آیا انہیں ملک کی ملی زندگی میں اپنا مقام پیدا کرنا ہے یا اپنے لیے کسی گوشۂ خلوت میں عافیت کی تلاش کرنی ہے؟

بلاشبہ کسی ایسے گوشے کا تصور نہایت خوش کن تھا جہاں مسلمان اپنی علمی، تہذیبی، دینی روایات کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اپنے لیے ایک کامل آزادانہ ماحول پیدا کرنے اور اپنے ذوق وفکر کے مطابق سیاسی زندگی کا نقشہ بنانے میں آزاد ہوں لیکن ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ میں مسلمان اور دوسری اقوام معاشرتی اور سماجی زندگی میں جس طرح گھل مل گئے

تھے، اس سے انہیں الگ کرنا اور کسی ایک گوشے میں جمع کر لینا ممکن تھا خواہ اس بارے میں کتنے ہی بلند عزائم اور نیک خواہشات کیوں نہ ہوں، مسلمانوں کے وسیع تر اجتماعی مفاد کا تقاضا تھا کہ وہ پسپائی اور فرار کی زندگی کا خیال دل میں لائے بغیر ہندوستان کی اقتصادی، سیاسی اور ملی جلی زندگی میں اپنا مقام پیدا کریں اور ایک وسیع علاقے میں مسلمانوں کے مفادات اور اسلامی دعوت کے بہترین ثمرات اور ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی کے نشانات، تہذیبی علامات، تاریخی آثار اور اپنے عظیم الشان علمی اور تاریخی اداروں اور مرکزوں کی وراثت سے دستبردار نہ ہوں، خواہ انہیں اس راہ میں وقت کی تلخ کامیوں کا سامنا کرنا پڑے۔

حضرت شیخؒ کے سامنے زندگی کے جو مسائل اور وقت کے جو تقاضے تھے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے لیے مسلمانوں کے دورِ عروج اور عہدِ اقتدار کاملہ میں ان کا تصور بھی ممکن نہ تھا حضرت شیخ الاسلام نے دعوؤں کی بلند آہنگی اور ظاہری نمود و نمائش کے مقابلے میں مسلمانانِ ہند کے وسیع تر اجتماعی مفاد کی راہ کو اختیار فرمایا۔ اگرچہ انہیں اس راہ پر چل کر شدید ترین مخالفتوں اور اپنوں اور بیگانوں کی نفرتوں کا ہدف بننا پڑا۔

حضرت مجددؒ کی دعوت مسلمانوں کی اصلاح اور اسلامی زندگی کے قیام کی عظیم الشان تحریک تھی، جس کے اثرات مسلمانوں کے ذہنوں اور ان کی زندگی اور ان کی اصلاحی اور اسلامی تحریکوں پر صدیوں کے بعد آج تک موجود ہیں۔ لیکن جو دور حضرت شیخ الاسلامؒ کو ملا تھا اس میں حضرت مجددؒ کی دعوت کے داخلی رخ ہی سے کام لیا جا سکتا تھا۔ ملک کی ملی جلی اور اجتماعی زندگی کے لیے اس میں کوئی راہنمائی نہ تھی۔ حضرت مجدد کی دعوت کا ایک پہلو کہ غیر مسلموں اور ہنود کو رسوا کرو، ذلیل کرو، انہیں قتل کرو، ان کی قوت مٹا دو، ان کا زور توڑ دو، انہیں سیاسی زندگی میں اقتدار سے الگ کر دو تاکہ وہ عزت کی زندگی سے محروم ہو جائیں اور سر اٹھا کر نہ چل سکیں، نہ اس وقت قابلِ عمل تھا نہ جہانگیر و شاہجہان کے دور میں بلکہ عالمگیر کے عہدِ سعادت تک اس پر نہ عمل کیا گیا اور نہ کیا جا سکتا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام کے عہد کے تقاضے تو بالکل ہی مختلف تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کے لیے وہی لائحہ عمل درست تھا جس کی طرف حضرت شیخ الاسلامؒ نے راہنمائی فرمائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس دور میں حضرت مجددؒ بھی ہوتے تو اسی سلطانِ وقت اور اسکندرِ عزم کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔

جانشینیِ شیخ الہندؒ حضرت شیخ الاسلام کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ وہ اپنے عہد میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحریک کے سب سے بڑے راہنما تھے۔ ان کے سلسلۂ فکر میں اس روایت کی بڑی اہمیت ہے جو ان کے عہد کو حضرت شاہ صاحبؒ کے عہد اور ان کی تحریک سے ملاتی ہے۔ اس روایت کی شخصیات حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا مملوک العلی، حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق و شاہ محمد یعقوب اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ اجمعین تھیں۔ یہ شخصیات مستقل بالذات بھی تھیں اور الگ الگ نظامِ شمسی کی مالک بھی

تھیں جن سے علم و فضل کے بہت سے ثوابت اور سیارے وابستہ تھے۔ ایک دُوسرے دائرے میں بھی حضرت امام الہندؒ کی روایت موجود تھی، لیکن تاریخی اور روایتی طور پر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد تحریک ولی اللّٰہی کا مرکز دہلی سے دیوبند منتقل ہوگیا تھا اور اسی سے متعلق علماء کی ایک جماعت اس روایت کی امین اور تحریک کی داعی تھی۔ بعد میں جب جمعیتہ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا اور حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ شاہجہانپوری ثم دہلویؒ ان کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ اس کے صدر ہوئے۔ اور اس دائرے کے علمائے کرام نے بھی اس کے انداز فکر، نظام اور لائحہ عمل کو اختیار فرمایا، تو گویا ولی اللّٰہی فکر کے مرکز دہلی کے انتقال دیوبند پر تاریخ کی مُہر لگ گئی۔

بلاشبہ حضرت شیخ الہندؒ زندہ رہتے اور انہیں جمعیتہ علماء کی راہنمائی کا موقع ملتا تو وہی اس نظام فکر کی مرکزی شخصیت ہوتے لیکن حضرت کو زندگی نے مہلت نہ دی، حضرت مفتی اعظم کے ذوقِ علمی وصحت نے زیادہ دنوں تک جمعیتہ کی رہنمائی کی اجازت نہ دی۔ پھر بھی حضرت مفتی صاحب جمعیتہ علماء کی تاریخ راہنمائی کی ایک قابل احترام اور صفِ اوّل کی شخصیت تھے۔ جمعیتہ علماء کی راہنمائی کا سب سے زیادہ طویل عرصے تک حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو موقع ملا۔ ان کا بواسطہ شیخ الہندؒ حضرت امام ولی اللہ سے نہایت قوی تعلق تھا، اس لیے وہ نہ صرف جانشینِ شیخ الہندؒ تھے بلکہ اپنے وقت میں حضرت امام الہند محدثِ دہلویؒ کی وراثتِ علم فکری اور فلسفہ عمرانی و سیاسی کے سب سے بڑے داعی اور راہنما وہی تھے۔

حضرت شیخ الاسلام کو نہایت طویل زمانے تک کامل یکسوئی کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے فیضانِ تعلیم وتربیت کا موقع ملا تھا، وہ حضرت شیخ الہندؒ کے ذوق ومزاج کے سب سے بڑے آشنا، اُن کے افکار کے سب سے زیادہ واقف اور عزائم کے رازداں تھے۔ حضرتؒ نے اپنے دورِ صدارت میں اور اس سے پہلے سے انہیں افکار وعزائم کے مطابق جمعیتہ علماء ہند کی راہنمائی فرمائی۔

حضرت شیخ الاسلام کا نظام فکر وعمل جمعیتہ علماء ہند وقت کی کسی سیاسی تحریک یا جماعت کی طفیلی نہ تھی نہ کسی سے متاثر۔ اور نہ حضرت شیخ الاسلام کے فکر پر وقت کے کسی سیاسی فلسفۂ نظام کی چھاپ تھی۔ جمعیتہ علماء کا پورا نظامِ فکر مستقل بالذات تھا۔ اس نے سیاسی زندگی کے میدان اور قومی و ملی تحریکوں میں جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا، وہ اس کے اپنے غور وفکر کے نتیجے میں اس کی اپنی صوابدید پر تھا۔ حضرت شیخ الاسلام کی صدارت جمعیتہ کے بہت تھوڑے عرصے بعد ہی جمعیتہ کے نظامِ فکر وعمل اور حضرت کے وجودِ گرامی کا افتراق ختم ہوکر ملک کی سیاسی واجتماعی زندگی میں حضرت کے سیاسی، عمرانی، تعلیمی، دینی اور تہذیبی افکار کا ایک نظام اور لائحہ عمل نمایاں ہوگیا تھا۔

حضرت شیخ الاسلام نے کبھی کسی رجعت پرستانہ فکر وتحریک سے مفاہمت نہ کی لیکن بغیر سوچے سمجھے وقت کی کسی انقلابی اور قومی تحریک کا ساتھ بھی نہ دیا۔ حضرتؒ کے نظام فکر کا ذرا بھی غور سے مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ

ہر فکر اور عمل کا ایک دائرہ ہے اور ہر قسم کے کام ان حدود اور دائروں ہی میں انجام پاتے ہیں ۔ مثلاً :۔

(۱) سب سے پہلے مسلمانوں کی اسلامی زندگی کے تقاضے اور ضرورتیں سر اٹھاتی ہیں ۔ حضرت ان ضرورتوں کے مطابق مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے زیادہ سے زیادہ ابتدائی اسلامی مدارس کے قیام ، تبلیغ و اشاعت اسلام ، تنظیم و اتحاد بین المسلمین کے سرزمین ہند میں سب سے بڑے داعی اور مبلغ تھے ۔ تاریخ کے ایک دور میں متعدد حضرات نے نہایت جوش کے ساتھ اسلامی مدارس کے قیام ، مناظرین کی تربیت ، تبلیغ و اشاعت اور اتحاد و تنظیم کی ضرورت کو محسوس کیا ۔ اس کے لیے جماعتیں اور انجمنیں قائم کیں ، رسالے نکالے ، مناظرین کے دستے تیار کیے اور اپنے اوقات عزیز کو ان کاموں کے لیے وقف کر دینے کے عزائم کا اظہار کیا لیکن یہ تمام ولولے وقتی ثابت ہوئے ۔ حضرت شیخ الاسلام کے نزدیک یہ کوئی کام بھی وقتی اور کسی خاص تحریک سے متاثر ہو کر کرنے کا نہ تھا ۔ بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اسلامی زندگی اور ان کے ملی تشخص کے قیام و استحکام کے لیے دائمی اور مستقل ضرورت تھے ۔ جمعیۃ علماء ہند کے نظام میں ان کے مستقل شعبے قائم تھے اور ۱۹۴۷ء تک جمعیۃ کی ۲۸ سالہ زندگی میں یہ شعبے کبھی اپنے راہنما کی عدم توجہ کا شکار نہ ہوئے ، نہ ان کی سرگرمیاں ماند پڑیں ، بلکہ ہر آنے والے دور میں بھی نہایت زور شور کے ساتھ ہر دائرے میں کام ہوتا رہا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس نے سب سے زیادہ کام کے آدمی پیدا کیے ، سب سے زیادہ لوگوں میں خدمت کا ذوق پیدا کیا ، سب سے زیادہ تعلیمی ، تبلیغی ، اصلاحی لٹریچر پیدا کیا ، اسلامی مدارس کے قیام میں سب سے زیادہ سرگرمی دکھائی اور پورے ملک میں اسلامی مدارس کا جال بچھا دیا ۔ اس نے مناظرین اسلام کی تربیت کا خواہ کوئی مدرسہ نہ کھولا ہو لیکن اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور فتنہ ارتداد کے انسداد کے لیے سب سے زیادہ مخلصین اسی نے پیدا کیے اور سب سے زیادہ منظم اور نتیجہ خیز تحریک اسی نے چلائی ۔ اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کے تمام بزرگ اور خورد اگرچہ اپنے معتقدات میں نہایت راسخ اور اپنے مکتبۂ فکر سے نہایت قوی تعلق رکھتے تھے لیکن اتحاد بین المسلمین کی سب سے اہم اور موثر تحریک جمعیۃ علماء ہند ثابت ہوئی ۔

(۲) مسلمانوں کی ملی و اسلامی اجتماعی زندگی کے قیام کے لیے داخلی امور کی انجام دہی کے ساتھ قومی اور دستوری سطح پر شریعت بل پاس کرانے ، قاضی ایکٹ کے نفاذ اور اسلامی اوقاف کی تنظیم و اصلاح کے لیے جو مردانہ وار جنگ لڑی گئی اُس کا سہرا جمعیۃ علماء ہند کے سر ہے اور جمعیۃ کی راہنمائی کا فخر سب سے زیادہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی کو حاصل ہے ۔ اگرچہ حضرتؒ نے اس پر فخر کا کبھی اظہار نہیں فرمایا ۔

(۳) قومی سطح پر اور ملک کی اجتماعی زندگی کے دائرے میں اسلامی عقائد و شعائر کے تحفظ کے لیے کوششیں کی گئیں ۔ جمعیۃ علماء ہند نے ہمیشہ ان تجویزوں اور قرار دادوں کی مخالفت بھی کی جو کسی قومی یا غیر قومی جماعت یا کسی فرد یا حکومت کی طرف سے پیش کی گئیں ۔ سول میرج کے بل اور شاردا ایکٹ کی اس بنیاد پر مخالفت کی گئی کہ اس

سے اسلامی زندگی کی روایت، اس کا تشخص اور استحقاق مجروح ہوتا تھا اور یہ شریعت اسلامی میں ایسی مخالفت تھی کہ اگر ایک مرتبہ اس کی اجازت دے دی جاتی تو پھر اس دروازے کا بند کرنا ناممکن ہو جاتا۔

اسی طرح جمعیۃ علماء کے اکابر نے جس کے سرخیل حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھے، ہر اُس تجویز و تحریک کی مخالفت کی جو مسلمانوں کے ملی و اجتماعی مفاد اور اسلامی عقائد کے خلاف پائی گئی اور اس میں کبھی کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے تعلق اور اس کا احترام مانع نہ ہوا۔ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ نہرو رپورٹ کو مسلمانوں کے مفاد کے تحفظ کے لیے ناکافی یا خلاف پایا تو اس کی مدلل مخالفت کی اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کی خامیوں کو گنوایا۔ واردھا تعلیمی اسکیم اور ودیا مندر کی اسکیم کو مسلمانوں کے دینی و تہذیبی افکار و روایات کے خلاف پایا تو اس پر تنقید کرنے میں زبان و قلم نے کوتاہی نہ کی۔ بندے ماترم کا قومی نغمہ اسلامی عقائد سے ٹکرایا تو اس کی قومی حیثیت تسلیم کرنے اور مسلمان بچوں سے اس کے بول کہلوانے سے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کا سخت سے سخت جملہ بھی شاعرِ اسلام کے اس مصرع "خاکِ وطن کا ہر ذرہ مجھ کو دیوتا ہے" اور اس جیسے بہت سے مصرعوں اور شعروں سے زیادہ سخت اور شرمناک نہ تھا۔ اور جب گاندھی جی کی پرارتھنا کے گیت یا ان کے پسندیدہ بھجن کے بعض جملوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ایک لمحے کے لیے بھی گاندھی سے تعلق اور ان کا احترام یہ کہنے میں مانع نہ ہوا کہ اس کی تعلیم مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہے اور کوئی شخص بقائمی ہوش و برسلامتی ایمان اسے اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا۔

(۴) ملی استحقاق کو منوانے کے لیے جمعیت علماء ہند، جس کے صدر نشین حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھے، ہمیشہ سینہ سپر رہی۔ خواہ وہ محرم کے جلوس کی بندش ہو یا ذبیحۂ گاؤ کی ممانعت یا کسی بزرگ کے عرس کا اہتمام، کوئی بات خواہ اسلام کے مطابق نہ ہو رہی ہو لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی فرقہ اسے اپنے عقائد کا جز سمجھتا ہے اور کسی جانور کا ذبیحہ اسلام کی بخشی ہوئی آزادی اور اجازت کے مطابق ہو رہا ہے تو یہ فیصلہ کرنا کہ کیا صحیح اور کیا غلط ہے مسلمانوں کا داخلی اور تہذیبی ملی اصلاح کا مسئلہ ہے، حکومت کو اس میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ محرم کے جلوس کی اباحت اور کسی بزرگ کے عرس کا اہتمام بھی اسلامی تعلیم یا اس کے کسی جزئیے سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ ذبیحۂ گاؤ کی اجازت تھی تو بنی اسرائیل کی گائے کی طرح ذبح کا حکم قطعی نہ تھا، لیکن حکومت اس معاملے میں حکم نافذ کر کے جس دروازے کو کھول رہی تھی اُس کے کھُل جانے کے بعد اس کی دست درازی سے اسلام کا کوئی حکم قطعی بھی محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔ یہ معرکہ جمعیۃ علمائے ہند نے حضرت شیخ الاسلام کی صدارت میں سر کیا تھا۔

(۵) قومی اور ملکی سطح پر جمعیۃ علمائے ہند اور اس کے اکابر نے ہر اُس تحریک میں بھرپور حصہ لیا جو ہندوستان

سے برٹش استعمار کی جڑوں کو اکھاڑنے والی اور آزادی کی منزل کو قریب لانے والی ہو اور اس کے لیے کبھی کسی جانی ومالی ایثار سے دریغ نہ کیا۔ خواہ ترکِ موالات کا پروگرام ہو، بدیشی اشیاء کے ترک یا کھدر کے استعمال کی دعوت ہو، سول نافرمانی ہو یا ستیہ گرہ ہو یا ہندوستان چھوڑ دو کا اعلانِ جنگ ہو یا کسی ریاست میں عوام کے مسائل میں راہنمائی کا مسئلہ ہو، جب بھی اس نے کسی تحریک میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو یہ اس کے اپنے غور وفکر کا نتیجہ تھا اور اس کی اپنی صوابدید پر منحصر تھا کسی جماعت کی تقلید سے اس کا کبھی کوئی تعلق نہ ہوا۔ جمعیۃ علماء ہند کا فیصلہ ہمیشہ اسی اصول پر مبنی رہا کہ اس کا تعلق نہ صرف ہندوستان کی آزادی اور ملک کے اجتماعی مفاد سے تھا بلکہ مسلمانوں کا ملی اور اسلامی مفاد بھی اسی کا مقتضی تھا۔

(۶) مالٹا کی قید سے رہائی کے بعد ۱۹۲۰ء کے وسط میں حضرت شیخ الاسلام ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اسی وقت سے ملک میں چلنے والی تمام قومی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ لیکن جب بھی کسی تحریک یا پروگرام میں کسی جماعت سے اشتراکِ عمل کیا تو اپنے تئیں، اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو بالکل اس کے حوالے نہ کر دیا بلکہ اپنے جماعتی فیصلے کے مطابق، اپنے جماعتی تشخص کے ساتھ مسلمانوں کے ملکی اور بیرونِ ملک مسلمانوں کے عمومی مفاد کے پیشِ نظر کیا۔ ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت ہمیشہ پیشِ نظر رہی لیکن ہمیشہ شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ، حضرت شیخ الہندؒ کی نصیحت کے مطابق۔

(۷) جمعیۃ علمائے ہند کے تمام ارکان اور حضرت شیخ الاسلام فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کے لیے اپنی تمام ذاتی اور جماعتی صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لائے مسلمانوں کو نظم وضبط اور تحمل کی تلقین کی، اپنی طرف سے کبھی آغاز نہ کرنے کی تنبیہ کی لیکن مقابلے میں قدم پیچھے نہ ہٹانے کا بھی مشورہ دیا، اور ہجرت کے مقدس نام پر بزدلانہ فرار کے مقابلے میں بہادرانہ موت کو ترجیح دینے کی تلقین کی۔ جو لوگ فساد میں مظلومانہ مارے گئے تھے اُن کی موت کو شہادت کی موت قرار دے کر حالات کے مقابلہ و مقاومت کے لیے جذبہ پیدا کیا۔

(۸) ملکی زندگی کے دائرے میں مسلمانوں کو اپنے فرض کا احساس دلانے کے لیے حضرت شیخ الاسلام کو نظریۂ قومیت کے حوالے سے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن حضرت کی پوری زندگی اور اس کے معمولات اس کے گواہ ہیں کہ اس متحدہ قومیت کے قیام کے لیے نہ تو حضرت نے مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم، اسلام کی تبلیغ، مسلمانوں کی اصلاح اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کی ضرورت کو نظر انداز کیا، نہ ان فرائض کی ادائیگی میں کبھی ایک کی کوتاہی واقع ہوئی، نہ حضرت کی وضع وقطع، معمولاتِ روز وشب، اوراد واذکار، سحر خیزی وعبادت گذاری، درسِ حدیث، تعلیم وارشاد، مراسلت اور اسفار وتقاریر کے ذریعے مسلمانوں کی خدمتِ اسلامی میں کوئی فرق

آیا۔ بلکہ آپ نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا واحد راستہ یہ بتایا کہ صرف نام کے مسلمان نہ ہوں، عادات و اطوار، سیرت و خصائل اور وضع قطع سے بھی مسلمان نظر آئیں۔ ہمارے نزدیک تو حضرت کے نظریہ متحدہ قومیت کا وہی مفہوم تھا جو حضرت کی وضع و قطع، شکل و صورت، آپ کے معمولاتِ روز و شب اور ملی وظائف و خدمات میں آپ کے ذوق و انہماک سے ظاہر ہوتا ہے۔

یہ تمام کارنامے حضرت شیخ الاسلام کے نظامِ فکر کے مطابق الگ الگ اور مختلف دائروں میں انجام پاتے رہے۔ یہی حضرت کی سیرت کے خصائص ہیں اور یہی جمعیۃ علمائے ہند کے زریں کارنامے ہیں۔ حضرت کے خطوط، خطبات اور بیانات سے یہ نظام فکر اور کارنامے ثابت ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام کا نظام فکر صرف مسلمانوں کی ملی اور قوم کی اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں ہی کا احاطہ نہیں کرتا بلکہ جس طرح ہماری زندگی فرد سے خاندان، خاندان سے برادری اور سوسائٹی اور اس سے آگے ملکی اور قومی دائرے میں نمایاں ہوتی ہے اور قومی و ملکی دائرے سے بلند ہو کر زمین کے زیادہ وسیع علاقوں اور خطوں کو محیط ہوتی ہے۔ مثلاً:۔ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ اور ان وسیع علاقوں کے حالات و مسائل اور مشترکہ انسانی فلاح و بہبود کے تقاضے انسانی فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہیں۔ اسی طرح ایشیا، یورپ اور افریقہ کی ارضی سطح سے اوپر کل انسانیت کی سطح نمودار ہوتی ہے اور متحدہ انسانیت کے تقاضے سامنے آتے ہیں۔ انسانی نقطۂ نظر رکھنے والے شخص کے لیے خصوصاً اس شخص کے لیے جو الخلق عیال اللہ کے عقیدے پر ایمان رکھتا ہو ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ شخصی مفادات، خاندانی، جماعتی بہبود یا ملک یا اس سے اوپر کسی خاص براعظم یا خطۂ ارض کی فلاح و ترقی کے نظریئے پر اس کی سعی اور عمل کا قدم اور ذہنی و فکری ترقی کا سفر رک نہ جائے بلکہ وہ اس مقام سے بلند ہو کر تمام خلق اور کل نوعِ انسانی کی دنیاوی فلاح اور اخروی نجات کے بارے میں سوچے۔

حضرت شیخ الاسلام کے نظامِ فکر کا یہ آخری نقطہ ہے۔ یہی انسانی اور یہی اسلامی اندازِ فکر ہے۔ اور اسی کو سامنے رکھ کر حضرتؒ کے فکر کی بلندی اور سیرت کی عظمت کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہیئے۔

حضرت شیخ الاسلام نے مسلمانوں کی انفرادی زندگی میں تعلیم و تزکیہ کی ضرورت سے لے کر عائلی نظام کی اصلاح، ملک کی عام معاشرتی اور سماجی زندگی میں راہنمائی اور پھر ایک عالمی انسانی معاشرے (یونیورسل سوسائٹی) کی تعمیر تک انسانی زندگی اور اجتماع کی تمام ضرورتوں کو نظر میں رکھا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولینا عبیداللہ سندھیؒ کے علاوہ برصغیر کے سارے طبقہ علماء میں حضرت شیخ الاسلام واحد شخصیت ہیں جن کی تحریرات خصوصاً مکاتیب میں ایک عالمی انسانی معاشرے یا متحدہ انسانیت کا نہ صرف تصور ملتا ہے بلکہ حضرتؒ

نے ایسے واضح اشارے کیے ہیں جن کی راہنمائی میں عالمی انسانی معاشرے کا پورا نظامِ فکر و عمل مرتب کر لیا جا سکتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کے مکاتیب، تاریخی و سیاسی مباحث اور مذہب میں اس کے تمام علوم و فنون، اور ان کے متعلقات کے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں۔ تصوف و طریقت، اصلاح و تہذیب، تعلیم و ارشاد، ذکر اذکار، اوراد و وظائف، مراقبہ و مجاہدہ کے مضامین الگ ہیں۔ کئی خطوط اسلامی زندگی کے خصائص اور اس کے اختیار کرنے کے فوائد میں ہیں اور گویا بصائر و عبر کا گنجینہ ہیں۔ فلسفے کا ذوق آپ میں نہ تھا لیکن مذہب و فلسفہ کی تفریق کے مطابق حضرت شیخ الاسلام کے وہ خطوط جو مذہب کے دفاع اور خدا کے وجود کے اثبات میں ہیں اور جن میں مذہبی عقائد سے استدلال کے بجائے عقلی دلائل سے کام لیا گیا ہے وہ بنیادی طور پر فلسفہ کا مضمون بن جاتا ہے۔ حضرت نے مذہب کے دفاع میں جو طرزِ استدلال اور اسلوبِ بیان اختیار فرمایا ہے اس سے ایک جدید علمِ کلام کے اصول وضع کیے جا سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام عام معنوں میں مُدبّر نہ تھے، یعنی ایسی شخصیت نہ تھے جو اپنے افکار کی تالیف و تدوین میں مصروف رہتی ہے اور جس کا فکر آفریں دماغ نت نئے نکتے پیدا کر کے دنیا سے تحسین و آفرین کا خراج وصول کرتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ایک خالص عملی انسان اور صاحبِ فکر سیاستدان تھے اور جن خطوط میں آپ نے سیاسی افکار و مسائل یا کسی قوم یا جماعت کی سیاسی تاریخ اور کردار کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا ہے، وہ وقت کے سیاسی مسائل اور حالات کے تقاضے کے حوالے سے ہے نہ کہ محض فکر آفرینی کے شوق میں! اگر آپ کے دور میں وہ سیاسی حالات اور مسائل پیدا نہ ہوتے تو آپ کو چونکہ مدبّر بننے اور اپنی اس حیثیت کو ثابت کرنے اور منوانے کا شوق نہ تھا اس لیے کوئی سیاسی مسئلہ چھیڑنے کی یقیناً ضرورت پیش نہ آتی۔ البتہ ان خطوط اور حضرت کی بعض دوسری تحریروں کے مطالعے سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ وہ سیاست میں انسانی معاشیات کی کارفرمائی کے قائل تھے اور اس بارے میں وہ اپنا ایک خاص نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ نیز حضرت کی یہ خوبی تھی کہ وقت کے سیاسی مسائل کو تاریخ کے تعامل اور تناظر کی روشنی میں دیکھتے تھے اور اسی کے مطابق حال و مستقبل میں عام لوگوں، مسلمانوں اور وقت کی تحریکوں کی راہنمائی فرماتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام کے خطوط کی ایک اہم خوبی آپ کا شریفانہ رویہ ہے۔ خطوط میں آپ نے سخت سے سخت تنقید فرمائی ہے لیکن اس میں ذاتی عناد کا کوئی شائبہ نہیں۔ آپ نے شخصاً کسی کی ذات

کو مورد الزام اور متہم قرار نہیں دیا۔ بعض مقامات پر لہجے میں جھنجھلاہٹ کا احساس ہوتا ہے، لیکن یہ اظہار خشمگی اپنے مخاطب سے ہے جو عام طور پر حضرت ہی کا کوئی مُرید، معتقد یا شاگرد ہے۔ ورنہ معلوم ہے کہ ایک جماعت کے اصاغر و اکابر نے حضرت کی شان میں کیا کیا گستاخیاں نہ کی تھیں، لیکن حضرت کی زبان سے ان کے لیے بھی کبھی کوئی درشت کلمہ نہ نکلا بلکہ ہمیشہ کلمۂ خیر ہی فرمایا۔

حضرت شیخ الاسلام نے اپنی زندگی میں ہزاروں خطوط لکھے، بلکہ اتنے چھپ چکے ہیں۔ تشنۂ ترتیب و اشاعت خطوط کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پچاسوں مضامین و خطبات حضرت کی قلمی یادگار ہیں اور متعدد تصانیف آپ کے ذوقِ تالیف و تصنیف اور علم و فضل پر شاہدِ عدل ہیں اور بلند پایہ مصنف تسلیم کر لیے جانے کے باوجود آپ کو ادیب اور صاحبِ طرز تسلیم کیے جانے کی طرف ابھی کسی نقاد نے توجہ نہیں کی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ کی تحریرات اور تصنیفات کے موضوعات چونکہ سیاسی، مذہبی اور اسلامی و دینی مباحث ہیں اس لیے ادیبوں اور نقادوں نے توجہ نہیں کی، اور علماء و فضلاء جو حضرت سے عقیدت و ارادت رکھتے ہیں اُن کی نظر میں اسلوبِ تحریر و نگارش کی حیثیت نہ صرف دوسرے بلکہ تیسرے درجے کی ہے۔ اس لیے ابھی یہ فیصلہ کرنے کا وقت ابھی نہیں آسکا کہ حضرت شیخ الاسلام صاحبِ طرز ادیب اور انشا پرداز بھی ہیں۔

میں خود بھی اگرچہ اس انداز سے حضرت کی تمام تحریرات کا مطالعہ نہیں کر سکا ہوں لیکن جس حد تک غور کیا ہے اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حضرت کا طرزِ نگارش جن عناصر سے مرکب ہے ان میں صحتِ زبان کے ساتھ عام فہم اور سادہ بول چال کی زبان خاص عنصر ہے۔

عبارت تعقیدِ لفظی سے پاک اور صاف و رواں ہے۔ اگرچہ فقہ، تصوف وغیرہ کے مطالب پر مشتمل خطوط میں علمی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں اور کسی بھی علم و فن کی اصطلاحات عام لوگوں کے لیے کبھی عام فہم نہیں ہوتیں۔ اس کے سوا آپ کی تحریر میں مشکل پسندی کے رجحان کا پتہ نہیں چلتا۔ آپ کو عربی زبان پر مادری زبان کی طرح قدرت تھی اور عربی ادب کی تمام شاخوں اور صنفوں پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ فارسی دانی کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ لیکن آپ کی اردو تحریر، عربی و فارسی کی مشکل تراکیب، بعید از فہم تشبیہات و استعارات سے بوجھل اور فہم کے لیے دشوار نہیں۔ آپ نے جا بجا عربی، فارسی اور عبارت کے اشعار، جملوں اور مثلوں سے اپنے افکار و مطالب کی تفہیم کا کام لیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کے پیشِ نظر ہمیشہ مکتوب الیہ اور مخاطب کی علمی اور ذہنی سطح رہی۔ آپ نے جس مسترشد یا مکتوب الیہ کو جس معیارِ کلام کا مستحق سمجھا اُسی کے مطابق اپنی تحریر کو لفظوں اور جملوں سے

تالیف فرمایا۔ عربی کا حکمت آمیز مقولہ تکلموا الناس علیٰ قدر عقولھم آپ کی تحریر کی علمی اور فنی سطح کو متعین کرتا ہے، اس لیے آپ کی تحریر کی ایک اہم خوبی وہ ہے جو ادب کے اکابر کے کلام میں تسلیم کی گئی ہے یعنی : از دل ریزد بر دل خیزد۔ آپ کی تحریر کا تعلق چونکہ دل کے سچے جذبات، نیت کے اخلاص، طبیعت کے سوز، علم کی گہرائی، عقیدے کی پختگی، تاریخ کے حقائق اور دلائل کی محکمی سے ہوتا ہے اس لیے پڑھنے والے کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔ اگرچہ ہر قاری کا تاثر جدا ہوتا ہے۔ کوئی آپ کے دل کے سچے جذبات اور اخلاص سے متاثر ہوتا ہے، کسی پر طبیعت کا سوز اثر کرتا ہے اور کوئی آپ کے علم کی گہرائی، مطالعے کی وسعت اور دلائل کی محکمی سے مسحور ہوتا ہے۔ اثر کم و بیش ہوسکتا ہے لیکن ایسا کوئی قاری نہیں ہوسکتا جو کسی پہلو سے کسی درجے میں بھی متاثر نہ ہو۔

بقیہ صـ۹ : دینی مدارس کا تاریخی پس منظر

تاکہ طالبعلم روٹی کھالیں ـــ ایک مرتبہ ایک فوجی میرے پاس آیا تھا اور ایک روپیہ چندہ دے کر رو پڑا اور کہا کہ زیادہ چندہ کی طاقت نہیں ہے، میں مزدوری کر کے دو وقت کی روٹی پیدا کرسکتا ہوں تو ایک وقت کی روٹی نہ کھائی اور یہ چندہ دارالعلوم میں دیتا ہوں ـــ تو اس مخلص کا ہم پر حق ہے کہ اس کو اور اس جیسے ہزاروں مخلصین کو دعاؤں میں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سعی و کوشش قبول فرمالیں۔

میرا تو دل چاہتا ہے کہ ان تمام لوگوں کے نام لے لے کر ان کے لیے دعا کریں لیکن یہ ممکن نہیں، البتہ جن لوگوں نے ان قریبی دنوں میں دعاؤں کا کہا ہے یا ابتدائے روز سے دارالعلوم سے وابستہ ہیں، وفات پا چکے ہیں یا زندہ ہیں، معاونین ہیں، چندہ دہندگان ہیں، سرپرست ہیں، یا اساتذہ ہیں یا طلباء ہیں، ان سب کو دعاؤں میں یاد کرتے ہیں اور بہت سے بیمار ہیں ان کیلئے بھی دعا کریں۔ میں آپ کے سامنے ایک مریض بیٹھا ہوں، مجھے جتنا افسوس ہے، جتنی ندامت ہے اور اللہ کے دربار میں اتنی ہی زاری والحاح، منت و سماجت ہے کہ یا اللہ! مجھے بھی اس نعمت خدمتِ دین میں حصہ عطا فرمادے اور اس نعمت میں ہمیں زندہ رکھے اور اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک رکھے اور اسی میں موت دے۔ آخر میں تفصیلی دعا فرمائی۔

پاکستان آرمی میں

جونیئر کمیشنڈ آفیسر خطیبوں کی ضرورت

پاکستان آرمی میں جونیئر کمیشنڈ خطیبوں کی خالی آسامیوں کو پُر کرنے کے لیے مطلوبہ قابلیت کے حامل حضرات سے درخواستیں مطلوب ہیں

مطلوبہ قابلیت (ا) حکومتِ پاکستان کے منظور شدہ کسی دینی مدرسہ سے درس نظامی میں فراغت کی سند۔ (ب) پاکستان کے کسی بورڈ سے میٹرک یا سیکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ۔ (ج) روزمرہ امور کے متعلق عربی بول چال میں مہارت، قرأت اور حفظ اضافی قابلیت تصور کی جائے گی۔

عمر یکم اکتوبر ۱۹۸۸ء کو ۲۰ سال سے کم اور ۳۵ سال سے زائد نہ ہو۔

عہدہ اور تنخواہ ملازمت کیلئے منتخب امیدواروں کو نائب خطیب (نائب صوبیدار) کا عہدہ دیا جائیگا، فوجی وردی کی بجائے منظور شدہ شہری لباس ہوگا جو فوج کی طرف سے مفت مہیا کیا جائیگا، فوج کے جونیئر کمیشنڈ افسرس کی طرح اوپر والے رینک میں ترقی کی گنجائش ہوگی۔

الاؤنسز و دیگر مراعات وہ تمام الاؤنسز و مراعات جو فوج کے دیگر متقابل جے سی او صاحبان کو حاصل ہیں انہیں بھی حاصل ہوں گی، مثلاً ذات کے لیے مفت راشن، مفت رہائش (جہاں مہیا ہو ورنہ کوارٹر الاؤنس) اپنے اور بیوی بچوں کے لیے مفت طبی سہولت، سفری مراعات، پنشن گریجویٹی اور بیمہ کی مراعات وغیرہ وغیرہ۔

ملازمت کی جگہ پاکستان میں یا پاکستان سے باہر کسی جگہ۔

تربیت منتخب امیدواروں کو فوجی زندگی سے روشناس کرانے کی خاطر خاص تربیت بھی دی جائے گی۔

طریق انتخاب (ا) مختلف مقامات پر ابتدائی تحریری امتحان (ب) طبی معائنہ (ج) انٹرویو اور حتمی انتخاب جی ایچ کیو ایجوکیشن ڈائریکٹریٹ میں ہوگا۔

درخواستیں مجوزہ فارم پر اصل اسناد کی تصدیق شدہ نقول کے ہمراہ شعبہ دینی تعلیمات آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹریٹ آئی جی ٹی اینڈ ای برانچ جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی ۲۳ جون ۱۹۸۸ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔

درخواستوں کے فارم مذکورہ شعبہ دینی تعلیمات سے مبلغ ایک روپیہ ۶۰ پیسے کے ڈاک ٹکٹ لگے ہوئے لفافے بھیج کر حاصل کیے جاسکتے ہیں، نیز مذکورہ بالا فارم فوجی بھرتی کے دفاتر سے بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

فارم طلب کرتے وقت اپنی قابلیت اور سند الفراغ کے بارے میں پوری معلومات لکھیں۔

نوٹ: انٹرویو میں دو دفعہ ناکام ہونے والے امیدوار درخواست دینے کے اہل نہیں ہیں۔

پاکستان آرمی

PID (I) 4700/10